دربارِ نبوت کی حاضری

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، تصنیف وتحریر کا جو ذوق بارگاہِ خداوندی سے آپ کو عطا ہوا ہے، وہ جداگانہ اور منفرد ہے، جس کا مشاہدہ آپ کی تصانیف کو دیکھ کر کیا جاسکتا ہے۔ زیر نظر تحریر ایک سفرنامہ ہے جو آپ نے حج بیت اللہ سے واپسی پر تحریر کیا تھا۔ سفرنامہ کیا ہے؟؟......بقول مولانا سید ابوالحسن ندویؒ: ''حج کے سفرنامے اور مدینہ طیبہ حاضری کی روادادیں تو اردو میں بہت ہیں اور ایک سے بڑھ کر ایک، دل چسپ اور پُر از معلومات، مفید اور سفر کرنے والوں کے لیے ضروری، لیکن یہ البیلا طرز بیان اور یہ عاشقانہ ومستانہ داستان آپ کو ہر جگہ نہیں ملے گی، کہ یہ مولانا کا طرز خاص ہے اور کم سے کم اس موضوع کے لیے یہ طرز ضروری، مناسب اور مفید ہے کہ شوق انگیز بھی ہے اور ولولہ خیز بھی اور اسی کے ساتھ علم آموز بھی اور خیال افروز بھی''......حضرت کا یہ دل چسپ سفرنامہ قارئین وفاق کے ذوقِ ادب کی تسکین کے لیے پیش ہے............(ادارہ)

حضرت مولانا سید احمد مہاجر رحمۃ اللہ علیہ کا مدرسۃ الشرعیہ اور حضرت کا دولت خانہ سب سے بڑا ماویٰ اور ملجا تھا، ہر ضرورت وہیں سے پوری ہوتی تھی، حضرت والا نے مدینہ منورہ کے غالباً مشرقی سمت میں ایک میدانی زمین کو قابل کاشت بنا کر زراعت کا طریقہ صدیوں کے بعد اس شہر میں مروج کیا تھا، مدینہ والے حرث (زراعت) سے قطعاً ناآشنا ہو چکے تھے، ان کا سرمایہ معیشت قیصر کے شہر کی وہ دکانیں تھیں جو النبی کے شہر پر کئی سو سال پہلے وقف ہو چکی تھیں، یا ارض فرعون مصر کا پانچواں حصہ جو حرمین پر وقف تھا، شاید بیل اور ہل پر ان کی نظر بھی نہیں پڑی تھی، کھجور کے باغوں کے لئے کدالوں اور پھاوڑوں کی کھدائی کافی تھی مگر مولانا نے بیل بھی نجد سے منگوائے، ایشیا کوچک کے ایک ترک کو ملازم رکھا جو زراعت کا ماہر تھا، ایک قدیم کنواں جو اس علاقہ میں تھا اس کو صاف کرایا گیا، اونٹوں سے چرس کشی کا کام لیا جاتا تھا، اپنا پشتی پیشہ زراعت ہی تھا اور اب بھی ہے، اس مناسبت سے عصر کے بعد عموماً حضرت والا کی اس جدید کاشت کی طرف چلا جاتا اور مدینہ کے ان میدانوں میں ان ہی چیزوں کو ڈھونڈتا پھرتا جس کے ڈھونڈھنے کے سوا مومن کا کوئی دوسرا لذیذ مشغلہ نہیں ہوسکتا، اسی عرصے میں قبا کی مسجد کی حاضری کی سعادت بھی کبھی تنہا کبھی رفقا کے ساتھ میسر آئی، تنہائی کی سیر کا وہ

لطف، اس لطف کے مزوں سے اب بھی دل لذت گیر رہتا ہے، راستہ کھجوروں کے ہرے بھرے باغوں سے آراستہ تھا، باغوں میں کھجوروں کے سوا انار، انگور کے درخت اور بیلیں بھی نظر آئیں، طرح طرح کے پرندے درختوں پر چہچہاتے، کبھی کبھی پانی کے گڑھے کے کنارے بگلے بھی اڑتے ہوئے دکھائی دیئے، کہیں فاختہ پر بھی نظر پڑتی، بیر اریس پر چرس چلتا رہتا، شفاف پانی نالیوں میں بہتا رہتا، اریس کے من پر بیٹھ کر پاؤں لٹکاتا، بیتے ہوئے دنوں کو یاد کرتا، انہی دنوں کو جو اس دنیا میں واپس نہ آئیں گے۔

ایک ہفتے کے بعد ہی دل کی کیفیت یہ ہوگئی کہ مدینہ کے سوا کچھ یاد نہیں رہا۔ ہندوستان کے اعزاء واقرباء، جامعہ عثمانیہ کی پروفیسری، ہر چیز دماغ سے نکل گئی، یہ قطعی فیصلہ دل کا ہوا، زبان کا ہوا، ذائقہ کا ہوا کہ جو پانی یہاں پینے کے لئے مل رہا ہے، نہ پہلے کبھی کسی ملک میں ملا تھا اور نہ آئندہ ملے گا، نہ اتنا مینو سواد ماحول، نہ یہ رعنائیاں، یہ زیبائیاں کہیں اور میسر آئیں گی، نیند جیسی وہاں آتی ہے، کہیں نہیں آتی، سرور ونشاط سے دل جتنا لب ریز ہوا، کبھی نہیں ہوا، دوسروں سے پوچھتا تھا تو وہ بھی یہی کہتے تھے۔ جنت میں داخل ہوجانے کے بعد اس سے باہر ہونے کی حماقت میں کون مبتلا ہوگا، دل اس سوال کو اٹھاتا اور اس ارادہ میں پختگی ہوتی چلی گئی کہ جب رفقاء جانے لگیں گے تو رفاقت سے وقت پر انکار کردوں گا۔ پہلے پندرہ روز تک اس خیال کا تسلط رہا۔ اس کے بعد کیا ہوا، بہت سی ناگفتنی کو گفتنی بنانے کے ارادے کے باوجود اس کو ناگفتہ ہی رہنے دیا جائے تو بہتر ہے۔

بہ مستوراں مگو اسرار مستی حدیث جان بپرس از نقش دیوار

ہاں! اس عرصے میں ''سعودی عرب'' کے بادشاہ اس وقت اس ملک کے لئے نئے بادشاہ تھے۔ ''بارادہ حج'' ریاض سے مدینہ منورہ بھی پہنچے، مولانا عبدالماجد جو باوجود سب کچھ ہونے کے کم از کم اس وقت تک اپنے ساتھ اخبار کے ایڈیٹر ہونے کی حیثیت رکھتے تھے، ان کا خیال ہوا کہ عرب کی اس جدید حکمراں سے ملاقات کرنی چاہئے۔ امیر مدینہ سے مل کر بات طے ہوئی، ترجمانی کے لئے اپنے ساتھ اس فقیر کو بھی ہمرکابی کا حکم مولانا کی طرف سے دیا گیا، حکم کی تعمیل کی گئی۔

کرسیوں اور صوفوں کی طویل قطار تھی، جس پر نجدی عقال باندھے حکومت کے حکام بیٹھے تھے، ان میں ''بادشاہ'' کون ہے، اس کی تمیز سخت دشوار تھی، وہی سرخ دھاگوں والا رومال اور سیاہ بالوں والی عقال سب کے سروں پر تھا، مولانا عبدالماجد صاحب حسب وعدہ پہلے امیر مدینہ سے ملے اور خواہش ظاہر کی کہ بادشاہ سے وہی تعارف کرادیں، مگر معلوم ہوا کہ امیر صاحب پر بے بسی طاری ہے، گھبرائے گھبرائے سے ہیں، تب فقیر نے ذرا جسارت سے کام لیا، قطار پر نظر کی، ایک معمر آدمی تصویروں سے، جس کی صورت کچھ پہچانی سی تھی اور اس کے صوفے پر دائیں بائیں دو تکیے پڑے ہوئے تھے، یہی شاید سب سے بڑی امتیازی علامت بادشاہ کی تھی، الغرض اسی کی طرف بڑھ کر فقیر نے سلام عرض کیا، مصافحہ کے

لئے ہاتھ بڑھایا، بادشاہ صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے، سلام کا جواب دیتے ہوئے مصافحہ کیا، پوچھا کہ کہاں کے ہو؟ بتایا گیا اور ساتھ ہی مولانا عبدالماجد کا ان الفاظ کے ساتھ تعارف کرادیا گیا کہ یہ ایک اخبار کے مدیر ہیں، آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں، اس پر بادشاہ نے کہا کہ ضرور میں ان سے باتیں کروں گا، مگر اس کے لئے اس مجلس کا موقع مناسب نہ ہوگا، آپ لوگ کل دارالامارہ میں ۸ بجے صبح کو ملئے، بس اسی پر گفتگو ختم ہوگئی۔ کل کا وعدہ لے کر واپس ہوئے، دن تو خیر گزر گیا، مگر جوں ہی خواب گاہ میں لیٹا، خیالات کا ہجوم شروع ہوا، پوچھنے والا تو نظر نہیں آتا تھا، لیکن پوچھا جارہا تھا کہ تم کیا یہاں سلاطین اور حکام سے ملنے آئے تھے؟ کیا بادشاہوں کی دنیا میں کمی ہے؟ جہاں تم رہتے ہو، وہاں کے بادشاہ سے تو تم کبھی ملے نہیں، لیکن یہاں آکر تم نے یہ کیا حرکت کی؟ پھر اب کیا کروں، وعدہ ہو چکا ہے، مولانا عبدالماجد چھوڑیں گے نہیں، رات آنکھوں آنکھوں میں کٹ گئی، کروٹیں پر کروٹیں بدلتا رہا، صبح ہوئی نماز کے بعد مولانا کی قیام گاہ پر حاضر ہوا، دیکھا بخار میں مبتلا ہیں، آج کا بخار میرے لئے موجب شکر بن گیا، اسی وقت ایک مختصر سا رقعہ امیر صاحب مدینہ کی خدمت میں لکھ کر بھیج دیا گیا کہ اخبار کے جن مدیر صاحب کے لئے وقت ملاقات جلالۃ الملک نے مقرر فرمایا تھا، اتفاقاً ان کو بخار آگیا ہے، اس لئے حاضری سے معذور ہیں، جواب آیا کہ اچھا، اس وقت تو مکہ معظمہ جارہے ہیں، حج کے بعد وہیں ملاقات ہوگی، قصہ ختم ہوگیا اور بحمداللہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا، تیس دن سے اس زائد مدت میں بیسیوں واقعات پیش آئے، جن کا ذکر موجب تطویل اور غیر ضروری بھی ہے، زیادہ اثر جدید مدینہ کے جدید باشندوں کی مہمان نوازیوں کا تھا، عموماً مسلّم دنبوں کے پیٹ میں پلاؤ پکایا جاتا تھا، جس میں علاوہ دوسری چیزوں کے بھنے ہوئے بادام اور تخم خیار بھی ہوتے تھے، اس کھانے کا نام ''مشائز کوزی'' تھا، بعض شامی کھانے بہت لذیذ تھے، گوشت تو سچ پوچھئے تو صرف دنبوں ہی کا ہوتا ہے، باافراط مختلف شکلوں میں پیش ہوتا تھا، دودھ کی بھی کمی محسوس نہ ہوئی، تقریباً ہر اچھے گھرانے میں بکریاں پلی ہوئی تھیں، دیکھنے میں دبلی پتلی، لیکن سیر ڈیڑھ سیر سے معلوم ہوا کہ کم دودھ نہیں دیتی ہیں، برسیم ایک قسم کا ہرا چارہ ہے، جس کی کاشت کھجور کے باغوں میں بکثرت مروج ہے، علی الصباح ''لحلولی'' (کھجوروں کی کاشت اور ان کے باغوں کی نگرانی کرنے والوں کو لحلولی کہتے ہیں۔ امامیہ فرقہ کے لوگوں کو مدینہ کی شہری آبادی میں جگہ نہیں ملتی تھی، لحلولوں میں ٹھہرنے لگے، ان ہی کے اثرات سے عموماً یہ شیعہ ہوگئے ہیں، اپنے آپ کو جعفری کہتے ہیں) لوگ کندھوں پر اسی برسیم کو کاٹ کاٹ کر شہر میں لاتے اور بطور راتب کے گھروں میں ایک دو بوجھے اس کے ڈالتے جاتے، پانی عموماً حبشن عورتوں کو دیکھا کہ قیام گاہوں کو پہنچاتی ہیں، کپڑوں کو دھونے کا نظم اس شہر میں دلچسپ تھا، بیویوں پر کھانے پکانے کا بار کم ڈالا جاتا ہے، روٹیاں بازار میں پکوائی جاتی ہیں، صرف سالن لوہے کے چولہوں پر پکالیا جاتا ہے، مکان کے کسی گوشے میں کھدکھد ہوتا رہتا ہے، اسی لئے مدینہ کے مکانات بڑے صاف و پاک ستھرے معلوم ہوتے ہیں، عورتوں کا وقت بہت بچتا ہے، اسی میں اپنے شوہروں اور بچوں کے کپڑے وہ دھولیتی ہیں اور خوب اچھا دھوتی ہیں، ہر گھر میں معلوم ہوا کہ استری کا

سامان بھی لازمی طور پر رہتا ہے، یہ بیوی پر الزام ہوتا ہے کہ اگر شوہر کے کپڑے ناصاف یا داغ دھبے والے ہوں، فرض ہے کہ باہر نکلنے سے پہلے اپنے خاوند کے لباس جوتے وغیرہ کو بیوی دیکھ لے، پالش کی ضرورت ہو تو پالش کر دے، قہوہ یا شاہی (چائے) کا دور تو ہر وقت چلتا رہتا ہے، لیکن اصلی کھانا اس زمانے میں دیکھا کہ عموماً عصر و مغرب کے بعد لوگ کھاتے ہیں، درمیان میں ہلکے پھلکے ناشتوں سے کام نکال لیا جاتا ہے۔

دعوت کرنے والے بزرگوں کے متعلق عموماً دیکھا کہ باہر سے آنے والے زائرین، دعوت کے بعد ان کے ساتھ مخفی طور پر کچھ حسن سلوک بھی کرتے ہیں، اچھی بات معلوم ہوئی، مگر ایک دفعہ سخت ذلت بھی اٹھانی پڑی، مسجد نبوی کے باب مجیدی پر ایک مکتب خانہ تھا، ایک صاحب معلم الصبیانی کا کام انجام دیتے تھے، ان سے تعلق پیدا ہوا، دعوت پر مصر ہوئے، قبول کی گئی، فارغ ہونے کے بعد مصافحہ کے وقت حسب دستور کچھ پیش کیا گیا، اللہ اللہ اس وقت ہمارے ان مدنی بزرگ کے چہرے کی سرخی، فرما رہے تھے، تم نے کیا مدینہ کے ہر باشندے کو گداگر سمجھ رکھا ہے، کیا دعوت اسی لئے کی جاتی ہے؟.....شرم سے گردن جھک گئی، زمین میں گڑ گیا، معذرت خواہ ہوا، جرم معاف کیا گیا، بڑی مہربانی فرماتے رہے، چلتے ہوئے آبار سبعہ (یعنی مدینہ کے وہ سات کنویں جس کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ لعاب دہن عالمین کے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے پانی میں شریک ہے۔ مسجد نبوی کے ان معلم صاحب کا نام محمد بن سالمین تھا، مکتب خانے میں بچوں کی سزا کا اصول دلچسپ تھا۔ قصوروار بچے کی طرف استاد کسی اصطلاحی اشارے سے نظر کرتا، سارے بچے مجرم کو ٹپک دیتے اور دونوں ٹانگیں اس کی اوپر کر دی جاتیں، تلوے پر استاد ایک دو چھڑی لگا دیتا، یہ بات پسند آئی، تلوے کی کھال موٹی ہوتی ہے، تکلیف کا احساس کم ہوتا ہے) کا پانی ایک ٹن میں اپنے مصارف سے منگوا کر حوالے کیا، یہی پانی پہلی سوغات تھی، جو مدینہ منورہ سے اس لئے ساتھ رکھی گئی کہ اپنے گاؤں کے اس کنویں میں ملا دیا جائے گا جس کا پانی عمر بھر پینا ہے، اسی کے ساتھ کھانے کا خیال بھی آیا، یعنی کھانے میں بھی مسلسل ایسی چیز ملتی رہے، جس میں مدینہ منورہ کا کوئی جز شریک ہو، خیال گزرا کہ ترکاریوں اور بعض غلوں کے بیج حاصل کر لئے جائیں، بآسانی مل گئے، ہندوستان تک پہنچے، ارادہ بھی تھا کہ ان ہی بیجوں سے کاشت کر کے ترکاریاں اگائی جائیں گی، لیکن جن لوگوں کے سپرد کیا گیا، انہوں نے زیادہ توجہ سے کام نہ لیا، تاہم کدو اور شلجم کا سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔

ذیقعدہ کا مہینہ اب تقریب ختم ہونے کو آیا، حج کا مہینہ ذوالحجہ نزدیک آنے لگا، حج کی تیاریوں میں لوگ مصروف ہوئے، اسی عرصے میں ایک دن اخت العرفات (مدظلہا) مولانا عبدالماجد کی اہلیہ محترمہ نے خاص آدمی بھیج کر اپنی قیام گاہ پر بلوایا، حاضر ہوا، انہوں نے اپنا ایک خواب سنایا، عجیب خواب ہے، وہ اودھ کی رہنے والی ہیں، فقیر کی مرحومہ والدہ غفر اللہ لہا جو کئی سال پہلے وفات پا چکی تھیں، بہار کے ایک دیہات کی رہنے والی تھیں، انہوں نے ساری زندگی ریل گاڑی نہیں دیکھی تھی، ان کا سفر اپنے میکہ (موضع استھانواں) سے گیلان تک محدود تھا، مگر ماجد میاں کے گھر والوں نے سنایا،

میں نے خواب میں دیکھا کہ ''گھر میں میرے کوئی تقریب ہے، میں کھانا لوگوں میں تقسیم کررہی ہوں، اتنے میں دیکھتی ہوں کہ ایک بیوی صاحبہ جن کی شکل وصورت ایسی تھی، وہ فرمارہی ہیں کہ اس کھانے میں کیا ہمارا حصہ نہیں ہے؟ ماجد میاں کے گھر نے کہا کہ آپ ہیں کون؟ بولیں کہ تمہارے ساتھ مناظر احسن جو آیا ہے، میں اس کی ماں ہوں، اپنے بچوں کے ساتھ یہاں چلی آئی ہوں۔''

یہ عجیب خواب تھا، آنکھیں اشک آلود ہوگئیں، ماں کی وہ گود یاد آگئی، جس میں اتارا گیا تھا، کھیلا تھا، کھلایا گیا تھا، مولانا ماجد کے گھر نے شکل وصورت حلیہ جو بیان کیا تھا، وہ مرحومہ والدہ پر منطبق بھی تھا، یہی تعبیر سمجھ میں آئی کہ اپنی طرف سے حج کرانے کی آرزو انہوں نے ظاہر کی ہے، وہ بڑی نیک خاتون تھیں، غربا پروری ان کی فطرت تھی، اس سے زیادہ اور کیا عرض کروں، میری تو بہر حال وہ ماں ہی نہیں، بہت کچھ ہیں، اٹھا، مولانا سید احمد صاحب مرحوم سے واقعہ کا ذکر کیا، حج بدل کی کوئی صورت یہاں ہوسکتی ہے، مولانا نے ایک صاحب کو تیار کیا، مدینہ منورہ سے میرے ساتھ چلنے کا وعدہ انہوں نے بہ نیت حج بدل فرمالیا۔

اب وقت بالکل سر پر آگیا، ارادہ پہلے سے تھا کہ پہلی ذوالحجہ کو ہمارا قافلہ مدینہ منورہ سے نکل پڑے گا، مگر لاری والوں کی طرف سے کچھ ایسے معاملات پیش ہونے لگے کہ دل دھڑکنے لگا، آج نہیں کل، کل نہیں پرسوں، بات ٹلنے لگی، ہاتھ پاؤں پھولنے لگے، کیا ہوگا، کیا ہم کم نصیبوں کے مقدر میں حج نہیں ہے، سب سے زیادہ متاثر فقیر تھا کہ اسی کے اشارے سے لوگ مدینہ چلے آئے تھے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ لاری والوں کے ساتھ کیا کیا جائے، حکومت کی زنجیر بھی کھٹکھٹائی گئی، مگر وہاں سے بھی چنداں حوصلہ افزا جواب نہ ملا، پریشانی کا عجب عالم تھا، اسی عرصہ میں ایک اور بات ایسی پیش آئی جو بھلائی نہیں جاتی، ہمارے ساتھ جہاز میں تعلق داران لکھنؤ میں سے ایک صاحب محمد علی نامی بھی تھے۔ عرف عام میں ان کو لوگ ''محمد علی چرو'' کہتے تھے، خدا جانے اب زندہ بھی ہیں یا نہیں، خود امامیہ مذہب رکھتے تھے، مگر بیوی ان کی سنی خاندان کی تھیں، بیوی کو حج کا شوق ہوا، محمد علی صاحب ایک اپٹوڈیٹ انگریزی خواں لیڈر قسم کے آدمی تھے، اپنی بیوی کو بمبئی تک پہنچانے کے لئے بمبئی آئے، مگر بمبئی میں خیال ہوا کہ ذرا آگے بڑھ چلو، جہاز پر سوار ہوگئے اور مدینہ منورہ تک وہ بھی ہماری تقلید میں ساتھ آئے، ان کی موٹر الگ تھی، مسجد نبوی میں احرام باندھ کر روضہ طیبہ پر رخصت ہونے کے لئے حاضر ہوئے۔ فقیر بھی مسجد کے کسی گوشہ میں تھا، رخصت ہوکر چرو صاحب چلنے لگے، تو مجھ پر نظر پڑی، سامنے آئے، ہوش وحواس غائب تھے، صرف یہ کہتے جاتے تھے:

''مولانا! گیا تھا، کہہ کے آیا ہوں، آج آستانہ پر حاضر ہوا ہوں، کل جب وقت روانگی کا ہو تو آپ بھی تشریف لائیے گا۔''

آنکھیں سرخ اشکبار تھیں، روتے جاتے تھے، رلاتے جاتے تھے، ان کا روانہ ہوجانا اور غضب ہوا، قافلہ والوں

میں گونہ برہمی پیدا ہوئی، نزلہ کا رخ زیادہ تر اسی دیوانے کی طرف تھا، اسی نے سب کی راہ ماری، حج سے محروم کیا، چپ تھا، کیا خود ہی نہیں، بلکہ اپنے جرم میں دوسروں کو بھی ان کے حج سے محروم کرادیا جائے گا۔

چمروصاحب چل دیئے اور جو بھی جانے والے تھے، مسلسل جارہے تھے، ہماری کمپنی اب بھی صحیح وقت نہیں بتارہی ہے، شعبدہ بازیوں سے کام لے رہی ہے۔ رات کا وقت تھا، رباط جس میں مولانا عبدالباری، ان کے والد، والدہ کے ساتھ یہ فقیر بھی مقیم تھا، سب سوئے ہوئے تھے، اسی فکر میں سوئے تھے کہ دیکھئے کل کیا صورت پیش آتی ہے، کیونکہ غالباً ذوالحجہ کی ۳ بھی گزر چکی تھی، ۴ تاریخ تھی، تین بجے کا وقت ہوگا، ہم لوگوں سے دور مولانا کی والدہ آرام فرمارہی تھیں کہ اچانک ان کی طرف سے ''پیارے پیارے'' کی آواز بھرائی ہوئی آنے لگی، یہ مولانا عبدالباری کا خانگی نام بچپن کا تھا، ان کی والدہ اب بھی زیادہ تر اسی نام سے مولانا کو پکارتی تھیں، میری آنکھیں بھی کھل گئیں اور مولانا والدہ کے پاس دوڑے ہوئے پہنچے، کیا ہے اماں کیا ہے اماں! ان کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں، ان ہی ہچکیوں میں ملی ہوئی آواز کے ساتھ فرمارہی تھیں۔

''میں نے ابھی خواب دیکھا ہے، دیکھا کہ ایک بزرگ ہیں، دل میں القا ہوا کہ خود مدینہ والے سرکار ہیں، (صلی اللہ علیہ وسلم) سامنے لاری کھڑی ہے، ہم لوگوں کا اسباب بھی پڑا ہوا ہے، حکم دیا جارہا ہے کہ ان مسافروں کو جلد سوار کرو، ان کو فوراً حج کے لئے مکہ پہنچاؤ۔''

یہ یا کچھ اسی قسم کے الفاظ تھے، شاید یہ بھی مولانا کی والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ خود ہی کچھ اسباب کو اٹھا اٹھا کر لاری میں دیکھا کہ وہ ڈال رہے ہیں۔

گفتی سر توبستہ فتراک ماسزد سہل است اگر تو زحمت ایں بارمی کشی

خاکسار بھی سن رہا تھا، ہوش جاتے رہے، چیخ نکل گئی، مولانا کے والد بھی بیدار ہوگئے، اب کسی کو کسی کی خبر نہ تھی، یہ کیا ہے، یا اللہ یہ کیا ہے، گریہ وزاری میں رات کٹی۔

نظر جانب ہرگنہ گار داری..... کے تجربوں کا اعادہ مسلسل ہورہا ہے، صلوٰت اللہ علیہ وسلامہ کہاں ہندوستان کے چند ٹوٹے پھوٹے نام کے مسلمان حقیر ذرے اور کہاں غیب وشہادت کا آفتاب عالم تاب، مرکز کائنات ایمان کے ساتھ حاضر ہونے والوں کو سلامتی کی دعا سے سرفرازی بخشی جائے، اس قرآنی حکم کی تعمیلی شکل کا یہ کتنا اچھا مشاہدہ تھا، ایمان کے ساتھ ایمان کے عملی اقتضاؤں کی تکمیل کرنے والے کن نوازشوں سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں، ان کا کون اندازہ کرسکتا ہے، خالق کائنات کے ساتھ نسبت کی تصحیح کائنات کے ذرہ ذرہ کی نسبت کو درست کردیتی ہے، اس راز کو وہ کیا پاسکتے ہیں، جو مخلوق سے مستفید ہونے کے لئے مخلوق ہی کو پوج ڈالتے ہیں، وہ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ خالق سے دور ہوکر اسی خالق کی مخلوق سے کیسے قریب ہوسکتے ہیں؟

خیر صبح ہوئی، مسجد نبوی میں نماز ادا کرکے واپس لوٹ رہے تھے کہ راستہ میں کمپنی کا نمائندہ ملا، تیار ہوجاؤ، لاری بس

اسی وقت کھلے گی، مسرت کی لہر دوڑ گئی، قافلہ کے لوگ تیار ہو گئے، سوار ہو گئے اور ۴ ذوالحجہ کو مدینہ منورہ میں تھے، شاید ۵ کی شام کو وہ مکہ معظمہ کی گلیوں میں گھوم رہے تھے۔

مور مسکیں ہو سے داشت کہ در کعبہ رسد دست برپائے کبوتر زد و نگاہ رسید

کا قصہ بجائے قصہ کے واقعہ بنا ہوا تھا، شاید ڈیڑھ دن میں راستہ طے ہوا، نکلنے کا خیال تو دل سے پہلے ہی نکال دیا گیا تھا۔ اس لئے مدینہ سے نکلنے پر جس کیفیت کا اندیشہ تھا، الحمدللہ کہ وہ طاری نہ ہوئی، ذوالحلیفہ (بیر علی) میں گاڑی رکی، سامنے مسجد تھی، مسجد کے پاس صاف وشفاف پانی سے بھری ہوئی ایک کافی عریض وعمیق باوڑی (کنواں) تھی، خوب نہائے تیرے اور مسجد میں آکر احرام باندھا، الفاظ کہاں ہیں جو شکر وامتنان کے جذبات کی ترجمانی کی گنجائش رکھتے ہوں۔

جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے جو کچھ کہ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

مدینہ منورہ کی منزل ختم ہوگئی، رسول کے دربار سے باریاب ہو کر اب اللہ کے بندے اللہ کے دربار میں تھے جس کا قصہ ان شاء اللہ دوسرے حج نمبر میں زندگی نے وفا کی تو سنایا جائے گا۔

مدینہ منورہ میں آستانہ نبوت کبریٰ کے سوا دوسرا مقام جہاں زمین پر وہ سب کچھ مل جاتا تھا جو شاید آسمانوں میں بھی نہ ملے، وہ جنت البقیع کی خوابگاہیں تھیں جن جن کی تلاش تھی، سب وہیں مل جاتے تھے، صبح وشام اس کا پھیرا ہوتا تھا، اُحد کے دامن میں بھی گزرگاہ کا موقع دیا گیا، عقیق کی ندی جو دامن احد میں گویا ایک برساتی نالہ ہے، اس کے پانی سے وضو کیا، ایک دن مدینہ میں بارش کا لطف بھی حاصل ہوا، مسجد نبوی کی میزاب کے نیچے غسل کرنے والوں نے غسل کیا، الغرض ایک مہینہ تین دن کی یہ مدت زندگی کی ایسی مدت تھی، جس کی نظیر پچاس ساٹھ سال کی طویل مدت میں نہ ملی ہے، نہ مل سکتی ہے۔

بقیع کا ایک واقعہ :.....اس سلسلے کا ایک ارتسام ذہنی ایسا ہے جو مٹائے نہیں مٹتا، بقیع کی جنت کی سیر میں تنہا مصروف تھا کہ اچانک ایک سرخ وسپید چھریرے بدن والے نوجوان کلہ سیاہ داڑھی سے بھرا ہوا، سامنے سے گزرتے ہوئے معلوم ہوئے، انہوں نے مجھے دیکھا، میں نے ان کو سلام کیا، سلام سے راہ ورسم کی ابتداء ہوئی، دریافت سے معلوم ہوا کہ مراکش وطن ہے، مجھ سے پوچھا گیا تو کہاں کا ہے؟ ہند، جواب دیا گیا، اسی کے بعد واقعہ پیش آیا ہے، مراکشی نوجوان نے عربی میں کہا کہ ہندوستان پر تو انگریزوں کی حکومت ہے، ہاں کہتے ہوئے فقیر نے عرض کیا کہ مراکش پر بھی تو فرانس قابض ہے، اس فقرے کے بعد پھر کیا ہوا؟..... میں نے دیکھا کہ وہ نوجوان مراکشی مجھ سے لپٹا ہوا ہے، سامنے قبہ خضراء تھا، اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے بلبلاتے اور چیختے ہوئے وہ کہہ رہے تھے، یا رسول اللہ! إن أمتك في الأسر في اسر النصاری۔ (یارسول اللہ آپ کی امت قید وبند میں گرفتار ہے، نصاریٰ کی قید وبند میں) وہ بھی رو رہے تھے، اور جس کے ساتھ لپٹے ہوئے تھے، وہ بھی رو رہا تھا، دونوں کی التجا کا رخ ایک ہی طرف تھا، مغرب اقصیٰ اور مشرق کے دور دراز کے دو باشندوں کا جو درمیانی مقدس رابطہ تھا، اسی سے عرض کر رہے تھے، کچھ دیر یہ وقت بھی خوب گزرا

اور جس وقت مواجہ مبارک میں ہندی، جاوی، بخاری، شامی، مغربی، ایشیائی، افریقی، گورے کالے، لال پیلے، اونچے اونچے قد والے چھوٹی چھوٹی قامت رکھنے والے طرح طرح کے لوگ رجوع ہوتے، سلام عرض کرتے، خدا جانے دوسرے کن نگاہوں سے اس منظر کو دیکھتے تھے، یا اب بھی دیکھتے ہیں، لیکن اچانک اپنے خیال کے سامنے حشر کا میدان آجاتا، وہی میدان جہاں بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح آدم کی اولاد ماری ماری پھرے گی اور العالمین کے رسول پر ایمان لانے والی امت اپنے رسول کو ڈھونڈھے گی اور پائے گی، آج ایک ہلکا سا نقشہ اسی میدان کا سامنے تھا، دیر تک اس کے نظارے میں غرق رہتا، بجلی کی طرح دل پر واردات گزرتے، گزرتے رہتے۔

سچی بات تو یہی ہے کہ ہر طرف یہاں بجلی ہی بجلی، برق ہی برق، نور ہی نور تھا، صرف روشنی تھی، تاریکی کا نام نہیں تھا، صرف سکون تھا، بے چینی کا پتہ بھی نہ تھا، صرف محبت تھی، محبت ہی محبت کا چشمہ فوارے کی طرح اچھل رہا تھا، ابل رہا تھا، صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحبہ اجمعین۔

ہاں! ایک آخری بات بھی سن لیجئے، مدینہ منورہ پہنچ کر اکیس آدمیوں کا یہ قافلہ مختلف قیام گاہوں میں تقسیم ہوگیا، مولانا عبدالباری، ان کے والدین اور فقیر کا قیام ایک ہی جگہ تھا، قیام کے ساتھ ہم چاروں کے طعام کا نظم بھی مشترک تھا، روانگی سے پہلے حساب کیا گیا کہ ایک مہینہ تین دن میں طعام کے مصارف کیا ہوئے، کھانے میں فراخدلی اور وسعت سے کام لیا جاتا تھا، ناشتہ میں چائے کے سوا کباب، انڈے، دہی اور طرح طرح کی چیزیں بھی شریک رہتی تھیں، یہ صحیح ہے کہ غیر تاریخی گرانی جس کا تجربہ جنگ عظیم کے بعد والی جنگ اعظم کے بعد دنیا کو ہوا ہے اس کا ذکر تو شاید بنی نوع انسانی کو تاریخ کے کسی دور میں اس کا سان گمان بھی نہ ہوا ہوگا اور موجودہ زمانے کے لحاظ سے نسبتاً ارزانی ہی تھی، لیکن جنگ اعظم نہ سہی، یہ سفر ہم لوگوں کا جنگ کے بعد ہوا تھا، عرب جنگ عظیم سے غیر معمولی طور پر متاثر تھا، مسلسل انقلابوں سے اس ملک کو گزرنا پڑا تھا، عربوں کو پیار کرنے والی حکومت ترکی کا اقتدار عرب سے ختم ہو چکا تھا، اس لئے ہندوستان کے لحاظ سے وہاں غیر معمولی گرانی تھی، بھاؤ تو اب یاد نہیں رہا، مگر پھر بھی غیر معمولی گرانی ہی تھی۔

مگر مولانا عبدالباری صاحب نے جب حساب کیا تو وہ کچھ بھونچکے سے ہو کر رہ گئے، میں بھی سن کر حیران تھا، جب مولانا فرمانے لگے کہ ایک مہینہ تین دن کی اس پوری مدت میں فی کس آٹھ روپے کا حساب پڑتا ہے، کل آٹھ روپے، جس میں کھانا بھی ہے اور ناشتہ بھی اور چائے بھی، کچھ تکلفات بھی، بار بار میزان کی جانچ کی گئی، مدوں کو دیکھا گیا، لیکن آٹھ سے آگے یہ عدد کسی طرح نہ بڑھا، مجبوراً تسلیم کرنا پڑا کہ مہمانی میں درحقیقت یہ سارے دن گزرے، آٹھ کا عدد بھی صرف ''پردہ'' تھا۔

اس محسن کریم کے قربان جائیے احسن جس کا صورت احساں میں نہ تھا

☆.....☆.....☆